برصغیر پاک وہند میں تعامل بین المذاہب: وحدت ادیان اور پاکستان پر حالیہ استعماری اثرات: ایک جائزہ

Interfaith Interaction: Unity of Religions in the Subcontinent and Contemporary Colonialism effects on Pakistan

Asma Waseem
PhD scholar Department of Islamic Thought and Civilization
School of Social Sciences and Humanities (SSH) UMT
Email: asmawaseem1032@gmail.com

Dr. Muhammad Kalim Ullah Khan (Brunei)
Assistant Professor
Head of the Department, Islamic Thought and Civilization
University of Management and Technology City Campus, Sialkot, Pakistan
Email: kalim.ullah@skt.umt.edu.pk

ABSTRACT

This research article discusses the concept of the unity of religions in the Indian subcontinent and the recent colonial influences on Pakistan. The discourse on the unity of religions has been present in the subcontinent from the beginning. There were attempts to portray Islam as a humanitarian religion similar to Hinduism, but these were internal matters of the subcontinent, with no external colonial involvement. However, with the arrival of the British, the discourse on religious interfaith dialogue took a new direction. In the 19th and 20th centuries, this issue gained significant importance. Even after the departure of colonial powers, their influence remained, and in Pakistan, it reached its peak under the guise of Sunat Ibrahimi.

However, Islam does not accommodate the concept of the unity of religions. Instead, it advocates for the establishment of religion (Iqamat-e-Deen), where Islam is the only true religion. Islam promotes religious tolerance and considers and preaching as the foremost duties. It is also the responsibility of the Pakistani state to uphold these principles.

Keywords: The unity of religion in sub-continent, Colonial effects, Sunat Ibrahimi in post modernism, Religion harmony, Supremacy of Islam

ہندوستان میں مسلمان حکمران تھے اور ہندو محکوم۔ جس وقت محمد بن قاسم اور اس کے ساتھیوں نے ہندوستان کی زمین پر قدم رکھا۔ اس وقت اس حکومت کو یہ مسئلہ درپیش تھا کہ وہ غیر مسلموں کے ساتھ کیسے روابط قائم کرے۔ کیونکہ یہاں کی مقامی آبادی یا تو ہندو تھے یا پھر بدھ مت تھے لیکن تھے بت پرست ہی۔ اور دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح اہل کتاب بھی نہ تھے۔ جیسے فلسطین، مصر اور شام وغیرہ۔

برصغیر کے ابتدائی دور میں ہندو مسلم تعلقات

ہندوؤں کے ساتھ تعلقات میں اتار چڑھاؤ رہتا تھا۔ آپس میں اتحاد بھی تھا لیکن بعض اوقات حالات کافی کشیدہ بھی ہو جاتے تھے۔ لیکن مجموعی طور پر ایک ملی جلی ثقافت تھی۔ آئیڈیل صورت حال تو صرف نبی اکرم ﷺ کے دور میں اور خلافت راشدہ میں تھی جب اسلامی صولوں کی پابندی کی جاتی۔ ان سے پہلے نمبر پر دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا جاتا تھا۔ ان سے کیئے گئے معاہدات کی پاسداری کی جاتی اور، پھر اسلام کی دعوت قبول نہ کرنے کی صورت میں جہاد وقتال بھی کیا جاتا تھا۔ لیکن اس کے بعد کبھی بھی آئیڈیل صورت حال پیدا نہ ہو سکی خواہ کوئی بھی خطہ زمین ہو۔ اندلس ہو یا ہندوؤستان ہو۔ اس بات کا اعتراف S.M.Jaffar نے اپنی کتاب Some Cultural Aspects of Muslim Rule میں یوں کیا ہے۔

"There is no gainsaying the fact that the lot of the subjugating that the people has never been better than under the ruling races of Islam ,whether in India, Spain or else where"[1]

محمد بن قاسم نے ان کی عبادت گاہوں کو عیسائیوں اور یہودیوں ہی کی طرح قرار دے دیا۔ محمد بن قاسم نے کہا۔ "شہر کے بزرگوں، سربراروں اور برہمنوں سے فرمایا کہ بے شک تم اپنے معبود کی عبادت کرو۔ اطمینان کے ساتھ اپنی رسمیں اور تہوار اور اپنے باپ دادا کے دستور کے مطابق جاری رکھو"[2]۔

چچ نامہ میں یہ بھی درج ہے کہ محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کے کہنے پر کیا۔ چچ نامہ میں ان کے خط وکتابت کی تفصیل درج ہے۔

حجاج بن یوسف "۔ جس طرح انھوں نے ہماری فرماں برداری کے ذمہ میں داخل ہو کر دارالخلافہ کا جزیہ اپنے اوپر مقرر کیا ہے۔ اس صورت میں جزیہ ادا کرنے والوں پر کوئی قد اور تعرض نہیں ہے۔ کیونکہ جب ذمی ہو چکے ہیں انھیں اپنے معبودوں کی عبادت کرنے کی اجازت دی گئی ہے تم کسی بھی طریقے سے ان کے بارے میں روک ٹوک نہ کرنا تا کہ وہ اپنے گھروں میں اپنی مرضی کی زندگی گزاریں"[3]

ان سب باتوں کی پاداش میں ان کی حیثیت ذمیوں کی سی ہو گئی۔ اور جزیہ وصول کرنے کے لیے افسروں کا تقرر بھی کیا گیا۔ چچ نامہ میں مزید درج ہے کہ "اس کے بعد سربراہوں کو جزیہ وصول کرنے پر مقرر کیا تا کہ ہر شہر اور علاقے سے مال وصول کرتے رہیں اور انھیں حکومت کی تائید اور طاقت بھی حاصل ہو"[4][5] .

اگرچہ ہندو بہت زیادہ تعداد میں موجودہ جس وقت اسلام آیا پھر بھی اس زمین نے اسلام کو جذب کیا ہے۔

Muslim missionary was sure to score splendid successes in a land like India ,where religious conflicts had disturbed the peace of the people and the worship of numerous gods had agitated their minds .There the minds of the people had

been thrown open to accept new ideas .ideas of liberty ,equality and fraternity ,so much so that when Islam appeared in India they were ready to receive the gospel of truth it carried with it . their conversion was not the conversion of heart carries its own refutation. [6]

کہا جاسکتا ہے کہ مذہب کے لحاظ سے ایک ملا جلا کلچر موجود تھا۔ ہندوؤں کی عبادت گاہوں کی حد تک جمالیاتی قدریں تبدیل ہوتی دکھائی دیتی ہیں۔

کچھ ہندو بھی صلح پسند تھے اور مسلمانوں کے ساتھ مل جل رہنے میں عافیت سمجھتے تھے۔ ان میں ایک قابل ذکر نام منشی رادھا کرشن کا ہے۔ منشی جی، لالہ لاجپت رائے (1886-1928) کے پتا تھے جنھوں نے آریہ سماجی ہونے سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور اکثر مسلمان اس سے باہر تھے۔ اس کے حلقے میں آنے والے لوگوں کو اس رکنیت کے لیے شرائط پوری کرنی تھیں مگر ان شرطوں میں مذہبی الحاق ضروری نہیں تھا، آخر 19 ویں صدی تک، کمونیل نظام کے آمنے سامنے ہونے کے بعد سب ایسے ادارے وجود میں آئے جن میں ہندو اور مسلمان مشترکہ شوق اور دلچسپیاں رکھ سکتے تھے اور ان پر عمل کرسکتے تھے۔ اسی لیے یہ کوئی حیرت کی بات نہیں تھے سیکولر اداریاتی امکانات کسی بھی لحاظ سے کم نہیں تھے۔[7] اس واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان دوستانہ تعلقات تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اختلافات بھی تھے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں دہلی میں مذہبی اختلافات بڑھ رہے تھے۔ 'ان میں بھارت دھرم منڈل اور سناتن دھرم سبھا کا نام لیا جاسکتا ہے۔

[8] Delhi through the Ages جو کہ انڈیا کی تاریخ پر ایک طویل ڈوکومنٹ ہے تقریباً 3،000 سال کی تاریخ ہے۔ اور کثیر معاشرے کی ترجمانی کرتا ہے اس میں دہلی میں پیدا ہونے والے انتشار کا تزکرہ ملتا ہے۔ "آریہ سماج کے لیڈروں کے درمیان اختلافات بڑھ گئے۔ 1896-7 میں شہر ایک مذہبی گرداب میں پھنس گیا جس کی توجہ، دوسری بہت سی وجوہات کے ساتھ، پنڈت لیکھ رام کی، جو پنجاب میں احمدیوں سے ہونے والے نزاعی مناظروں میں ایک اہم کردار تھے متشدد موت بھی تھی۔'[9] ایک اور مسئلہ جو بہت واضح انداز میں تو نہیں لیکن غیر محسوس طریقے سے سرائیت کر رہا تھا۔ وہ ہندو نیشنیلزم تھا۔[10] ذبیحہ گاؤ اور تعزیے اور رام لیلہ کے جلوس وقتاً فوقتاً اختلاف اور کشمکش کا سبب بنتے تھے مگر وہ مسلسل اور مستقل مذہبی تشدد (بہ استثنائے 1886) کی داغ بیل نہیں ڈالتے تھے۔[11]

بادشاہ اورنگ زیب، شاہ ولی اللہ، شیخ احمد سرہندی جیسے علماء نے اس اتحاد مخالفت کی اور حالی نے کسی حد تک، سرسید احمد خان، مرزا غالب جیسے لوگوں نے حمایت کی۔

برصغیر میں وحدت ادیان

برصغیر شروع سے ہی کثیر المذاہب کی آماج گاہ ہے۔ اس کی ثقافت میں مذہب کو اہمیت دی گئی ہے۔ اس کے بڑے

مذاہب ہندومت، سکھ مت، جین مت اور اسلام شامل ہیں۔ "وحدت الادیان" کے مطابق تمام مذاہب یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔ کسی ایک مذہب کے پیروکاروں کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ آخرت میں نجات انہی کے مذہب کی پیروی میں رکھی ہے۔ وحدت الادیان کا مسئلہ برصغیر کے مسائل میں اولین اہمیت رکھتا رہا ہے۔ اسلام اور ہندو مذہب برابر ہے۔ بتوں کو پوجنے میں اور اسلام کی پیروی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا سلطان احمد اصلاحی نے اپنی کتاب میں "وحدت ادیان کا نظریہ اور اسلام" میں لکھا ہے۔

"ہندوستان میں دعوت اسلامی کو درپیش مسائل ہیں، "وحدت ادیان" کے مسئلہ کو سرفہرست کہا جاسکتا ہے۔ تمام مذاہب یکساں برحق ہیں اور ان میں سے کسی ایک کی پیروی سے کائنات کے خالق خدا اور پرمیشور کی رضا اور خوشنودی یکساں طور پر حاصل کی جاسکتی ہے، اسلام کے ماننے والوں کا یہ اصرار کہ تنہا انہی کا مذہب آخری، آسمانی برحق مذہب ہے، اور انسان کی نجات اور مکتی اس کی بے لوث پیروی کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ رویہ بے جا سختی اور تشدد کا ہے جس سے بھارت جیسے ملک میں جسے مختلف ادیان ومذاہب کے گہوارے کی حیثیت حاصل ہے"۔[12]

یہ نظریہ ہندوستان کے سیاسی حالات کی پیداوار ہے۔ جس کا محرک ہندوستانہ طرز پر معاشرے کی تشکیل ہے اور اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں سے کمزور عقیدہ مسلمانوں کا کردار اہمیت کا حامل ہے۔ ہندو مسلمانوں کو ہندومت کی طرف راغب کرنا چاہتے تھے اور مسلمان مصالحت کی بنیاد پر ہندوؤں سے ہم آہنگی رکھنا چاہتے تھے۔ ان میں وہ مسلمان شامل تھے جو اپنے دین سے دور تھے، لاعلم تھے۔ انھیں اپنے دین پر اعتماد نہیں تھے۔ ہندوانہ طرز زندگی کو پسند کرتے تھے۔ لیکن ساتھ ساتھ اسلام کا نام بھی جاری رکھنا چاہتے تھے۔ اپنے دین پر اتنے پختہ نہیں تھے کہ ان سے ٹکرا جانے کی ہمت رکھتے ہوں۔ اس لئے معذرت خواہانہ روئے اپناتے تھے۔

"وحدت ادیان" بحث کے مختلف حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ایک حربہ یہ ہے کہ "کچھ لو اور کچھ دو" کا اصول اور دوسرا حربہ "سیکولرازم" ہے کہ مذہب کو درمیان سے ہٹا دیا جائے اور مذہب کو صرف نجی زندگی تک محدود کر دیا جائے۔ برصغیر میں یہ دونوں طریقے رائج رہے ہیں۔

پہلی قسم کے حربے کے مطابق ہندوؤں کے مذہب کی اس طرح تشریحات کی جاتیں کہ ہندو مذہب اسلام سے بہت مشابہہ ہے اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ ہندوؤں کی کتابیں الہامی کتابیں ہیں۔ (نعوذ باللہ) ہندوؤں کے جو زندگی کے مراحل بتائے گئے ہیں وہ اسلام میں "فقہ" کے مختلف مکاتب فکر سے مشابہہ ہیں۔ بتوں کے آگے سجدہ اللہ کے آگے سجدہ سے مشابہہ ہے۔ ایسی تشریحات کرنے والوں میں ایک نام مظہر جان جاناں (1699ء-1781ء) کا ہے۔ "ہندوؤں کی کتابیں منزل من اللہ ہیں اور ان میں وہ ساری خصوصیات پائی

جاتی ہیں جو کہ ایک الہامی مذہب میں پائی جاتی ہیں۔ ہندوؤں کی کتاب "وید" ہے اور اس کو بھیجنے کا مقصد دنیا کی اصلاح ہے۔ اس میں اوامر و نواہی کے احکامات پائے جاتے ہیں۔ ماضی اور مستقبل کے بارے میں معلومات بھی ہیں۔"[13]

"ہندو مسلمانوں کی طرح دنیا کی تخلیق پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے فنا کے بھی قائل ہیں۔ مزید یہ کہ مسلمانوں کی طرح جزا و سزا پر یقین رکھتے ہیں اور یہ بھی مانتے ہیں کہ قیامت کا دن آئے گا۔ اس کے علاوہ ہندو مذہب میں ریاضتوں اور مکاشفہ کے بھی قائل ہیں جن کو صوفیوں کے ہاں کرامت کہا جاتا ہے۔"[14]

دھرم شاستر کو علم الکلام کے مترادف بنادیا۔

"مسلمانوں کے ساتھ مماثلت بیان کرتے ہوئے مظہر جان جاناں نے یہ بھی کہا کہ ہندو مذہب 'قانون' کے چھ مختلف مکاتب فکر رکھتا ہے اور ان کو اصول عقائد پر استوار کیا گیا ہے۔ جس کو ہندوؤں کی زبان میں "دھر شاستر" کہتے ہیں اور جس کا مطلب وہ جن ایمانیات بیان کرتے ہیں۔ مزید کہتے ہیں کہ دھرم شاستر وہی ہے جو اسلام میں "علم الکلام' کہلاتا ہے۔"[15]

ذات پات کے نظام کو علم فقہ کے مترادف اور زندگی کے چار مراحل کو مہا مکتی کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ "ہندوؤں میں ذات پات کا نظام پایا جاتا ہے۔ جس میں ذات کو خاص حکم دیا جاتا ہے۔ جو کہ ان کا بنیادی فریضہ ہوتا ہے۔ یہ وہی نظریہ ہے جو مسلمانوں میں چار الگ مسالک پائے جاتے ہیں۔ جسے مسلمان علم فقہ کہتے ہیں۔

ہندو انسانی زندگی کو مختلف مراحل میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا مرحلہ علم و اب کا حصول، دوسرا مرحلہ دولت اور بچوں کا حصول، تیسرا مرحلہ اصلاح اور چوتھا مرحلہ دنیا سے ترک اور دستبرداری کا ہے۔ جو سب سے زیادہ انسانی کمال کمالات پت منتج ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے نزدیک اس کو مہا مکتی اور نجات کبریٰ بھی کہتے ہیں۔"[16]

بت پرستی کو عبادت کے مترادف اور بتوں کے آگے سجدہ کو سجدہ تعظیمی کے مترادف قرار دیئے۔ "ہندوؤں کی بت پرستی کا دفاع بھی کیا ہے۔ بت پرستی کا یہ استدلال کیا ہے کہ ہندوؤں کے ہاں بتوں کی پوجا ظاہری مراقبہ کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ مراقبہ فرشتوں کا یا بعض کامل افراد کا ہوتا ہے۔ جن کی روح جسموں سے الگ ہو گئی ہوتی ہے۔ لیکن اس دنیا میں رہنمائی کے لیے موجود ہوتی ہے۔ جو اپنے آقا کی تشبیہ پر غور کرتے ہیں۔ مظہر جان جاناں نے ہندوؤں کی بت پرستی کو اسلام سے پہلے والی بت پرستی سے الگ قرار دیا ہے۔ ہندو جو بتوں کی پرستی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بت اللہ نہیں بلکہ اللہ کا مظہر ہے۔ جبکہ اسلام سے پہلے کافر اپنے بتوں کو خود مختار سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک الہیٰ طاقت رکھتے ہیں۔ مظہر جان جاناں نے بتوں کے سجدہ کو تعظیمی سجدہ قرار دیا ہے۔"[17]

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی مذہب کے درمیان اس طرح کے مشترکات نکالے جاسکتے ہیں؟ کیا اس طرح کسی مذہب کی ترجمانی کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح برصغیر کی شاعری میں کئی اشعار ملتے ہیں جن سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ مندر اور مسجد کو ایک ہی فہرست میں پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بھی لحاظ روانہ رکھا گیا کہ مسجد کا نام پہلے دے دیا جاتا۔ بلکہ مندر کو پہلے نمبر پر رکھا گیا اور مسجد کو بعد میں اور اسی طرح بت پرستی اور نماز بھی ایک ہی ہیں۔ بتوں کے آگے سجدہ کرنا اور اللہ کو سجدہ کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

"مندر اور مسجد ایک ہی ہیں، ہندو پوجا اور مسلم نماز بھی ایک ہی ہیں۔"[18]

اسی طرح ایک اور شعر میں ہندوؤں کے معبود اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو برابر کا درجہ دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمی اور رام کی کرم نوازیاں برابر ہیں۔ لہذا چاہو تو رام کو پکارلو یا پھر اللہ تعالیٰ کی ذات کو۔

ساحر لدھیانی کا شعر ملاحظہ ہو۔

کعبے میں رہو یا کاشی میں نسبت تو اسی کی ذات سے ہے۔
تم رام کہو یا رحیم کہو مطلب تو اسی کی ذات سے ہے۔[19]

مزید لکھتا ہے:

جب رام رام نے جنم لیا
تب تب پایا جن باس[20]

سعد النجیب نے کہا:

مالک نے ہر انسان کو انسان بنایا۔
ہم نے اسے ہندو یا مسلمان بنایا۔[21]

ان ساری باتوں کے مطالعہ سے ایک بات اور بھی نکلتی ہے کہ اسلام کو بھی ہندوؤں کی طرح انسانوں کا بنایا ہوا مذہب سمجھا جاتا رہا ہے۔ جبکہ اسلام دین الہیٰ ہے۔

اسی طرح برصغیر کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مغل بادشاہوں نے ہندوؤں کی طرح غیر اللہ کو سجدے کئے۔ انھوں نے کوئی ایسی تشریحات تو نہ کیں کہ ہندو مذہب اسلام کے مشابہہ ہے جیسا کہ مظہر جان جاناں نے کی تھیں۔ لیکن انھوں نے غیر اللہ کو سجدے کیے۔۔ ان میں اکبر۔ داراشکوہ اور جہانگیر کے دور سے مثالیں ملتی ہیں۔

بادشاہ اکبر کے دینِ الٰہی میں اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً آگ اور سورج کو سجدہ کرنا۔ یہاں ایک ہندو 'برہم داس نامی' کا ذکر آتا ہے۔ جس نے اسلام کے بنیادی عقائد کے بارے میں انتہائی پیچیدگیاں پیدا کیں۔ "کالپی کا رہنے والا ایک حاضر جواب علم مجلسی میں کمال رکھنے والا اور بذلہ سنج ہندو برہم داس نامی دربار میں داخل ہوا۔"[22]

آگ پرستی کے بارے میں کہتا ہے کہ:

"کیہان فرزروشن دل، نور دوستی راایزد پرستی شمارد، وستائش الہٰی اندیشد، نادان تیرہ خاطر داور فراموشی و آزر پرستی خیال کند"[23] (جہاں پناہ اپنی روشن ضمیری سے روشنی کو بے حد عزیز رکھتے ہیں اور اس کی تعظیم و تکریم کو خدا پرستی اور ستائش الٰہی خیال فرماتے ہیں۔ نادان کور باطن اس کو خدا فراموشی و آتش پرستی کہتے ہیں۔

سورج کے بارے میں کہتا ہے:

"دو آشیانہ منزل ایزدپرستش دریں نزہت کدہ شود، دنیایش خورشید والا ازیں جایشآغاز باشد"[24] (دو آشیانہ منزل نام کی عمارت میں ایزدی ہوتی تھی اور یہیں سے آفتاب کی تعظیم کی ابتدا ہوتی تھی۔

سجدہ تعظیمی کے بارے میں اس کے یہ خیالات تھے جس سے عقیدت کی جاتی ہے اس کو سجدہ کیا جاتا ہے۔ "بندگان ارادت فرائے سجو نیایش افزا آنرا سجدہ ایزدی بر شمارند"[25] (بندگان عقیدت مند سجدہ تعظیمی کرتے اور اسے سجدہ ایزدی شمار کرتے ہیں۔ آئین اکبری اس طرح کی کئی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔ جہاں اسلام کے مسلمات تک کا لحاظ نہ رکھا گیا۔

جہانگیر کے دور میں بھی ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جو ہندوانہ طرز کی ہیں اور اس نے اسلام اور ہندومت میں تفریق نہیں کی۔ جانوروں کو ذبحہ نہ کرنا یا مخصوص دنوں میں ذبحہ نہ کرنا اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح بقرہ عید کے دن جانوروں کی قربانی پر پابندی عائد کر دی تھی۔ حالانکہ یہ مسلمانوں کا ایک بڑا شعار تھا۔ اس کی خلاف ورزی کسی بھی صورت گوارا نہ ہو سکتی تھی۔ بقر عید کا تہوار جمعرات کے دن تھا۔۔ جہانگیر نے بغیر کسی عالم یا مفتی کی رائے طلب کیے حکم جاری کیا کہ چوں کہ جمعرات کو کسی بھی جاندار کی قربانی مملکت میں ممنوع تھی۔ اس لیے بقر عید کے دن کی جانے والی قربانیاں دوسرے دن کی جائیں۔[26]

"اپنے والد کے طریقہ کے مطابق میں نے حکم دیا کہ ہر سال اٹھارہ ربیع الاول کو جو میرا یوم ولادت ہے، میری مملکت میں کسی بھی جانور کو غذا کے لیے ذبح نہ کیا جائے، ہر ہفتہ میں دو روز، یعنی پنج شبنہ جو میری تخت نشینی کا دن ہے اور یک شبنہ جو میرے والد کی ولادت کا دن ہے، کسی کو بھی ہلاک نہ کیا جائے۔ میرے والد اس وجہ سے اس دن کی بہت تکریم کرتے تھے کیونکہ اس کا تعلق آفتاب سے ہے اور اس لیے کہ اس دن سے عالم کی آفرینش کا آغاز ہوا"۔[27]

وحدت ادیان کا یہ ایک طریقہ تھا کہ ایک مذاہب کی اس طرح تشریح کی جائے کہ بالکل ایک دوسرے کے مشابہہ دکھائی دیں اور اتنا خلط ملط کر دیا جائے کہ ان کی تفریق کو ہی ختم کر دیا جائے۔ نہ عقائد میں ان کا لحاظ رکھا جائے، نہ عبادات میں اور نہ شعار میں۔ اور اس کا مقصد پر امن معاشرہ کا قیام ہو۔ ایسا اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ مذاہب کا انتہائی سرسری مطالعہ کیا جاتا ہے اور مذاہب کی صرف ظاہری حالت دیکھی جاتی ہے اور ان کے درمیان یک رنگی پیدا کی جاتی ہے اور یہ فیصلہ کر لیا جاتا ہے کہ یہ دونوں مذاہب ایک ہیں۔ لہذا سارے برحق ہیں۔

جس طرح ہندو مت اور اسلام کی ظاہری ہیئت اور ماہیئت کو دیکھ کر فیصلہ کر لیا گیا کہ یہ دونوں ایک ہیں۔ مقصود سجدہ ہی کرنا ہے چاہے اللہ کو کر لیا جائے یا پھر کسی اور کو جس میں بتوں سے لے مظاہر کائنات تک کی پوجا میں کوئی قباحت محسوس نہ کی گئی۔ اسی طرح عبادت گاہ میں بھی تفریق کو ختم کر دیا گیا۔ عبادت ہی کرنی ہے چاہے مسجد میں کی جائے یا مندر میں۔ اسی طرح کسی کو اپنا مجیب الدعوات ہی ماننا ہے تو رحمن کو مانا جائے یا کسی وشنو کو۔ اسی طرح اوتار اور نبوت بھی ایک جیسی ہیں۔

ہندو مت اور اس میں اسلام کے درمیان یہ وحدت بہت سال اکٹھے رہنے کی وجہ سے آئی اور اس میں مسلمان بادشاہوں کی دینی حمیت میں کمی شامل تھی اور ہندوؤں کی شاطرانہ چالیں شامل تھیں۔

وحدت ادیان کے حوالے سے داراشکوہ کا نام قابل ذکر ہے۔ اس نے رسالہ حق نما، حسنات العارفین، مجمع البحرین، دیوان داراشکوہ۔ قابل ذکر ہیں۔ 'داراشکوہ کے مطابق اسلام اور ہندو دھرم میں صرف اصطلاحات کا فرق ہے۔ جبکہ بنیادی عقائد وہی ہیں۔ 'ایہ کتابیں محض دونوں مذاہب کی اصلاحات سے بھری ہوئی ہے۔ قرآن کے حوالے سے فلسفیانہ گفتگو ملتی ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنشد کا ترجمہ کیا۔ نیز بھگوت گیتا اور جوگ سشت کا بھی۔ اس پر اس کو ملحد قرار دے کر سزائے موت دی گئی۔ اورنگ زیب نے اس پر عمل درآمد کروایا۔

مجمع البحرین کے کچھ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بنام آں کہ او نامی ندارد۔۔۔۔ بہر نامی کہ خوانی سر بر آرد۔۔۔

(اس کے نام سے جس کا کوئی نام نہیں 'تو جس نام سے بھی اسے پکارے وہ سر نکال لیتا ہے۔)[28]

پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی ثناء' رسول اکرم ﷺ اور اہل بیت وصحابہ کرام کی منقبت ہے۔

کفر و اسلام در رہش پویاں۔۔۔ وحدہ لا شریک لہ گویاں (کفر و اسلام اس کی راہ میں دوڑتے ہوئے اور وحدہ لا شریک کہتے ہوئے۔)[29]

رسالہ حق نما1056ءاس میں اس بات کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس میں اوضاع واطوار۔۔۔اعمال واشغال کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا رسول اکرم ﷺ کے طریق سے سر مو فرق و تجاوز نہیں ہے۔لیکن رسالے کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے مزکورہ طریقہ دراصل یوگا نظام کی ایک نقل ہے۔[30]

حسنات عارفین ۔۔صوفیوں کے ان مجذوبہ خیالات کا مجموعہ ہے ،جو اسلام کے مروجہ عقائد کے خلاف معلوم ہوتے ہیں ،دارہ شکوہ کے مطابق بے خودی کے لمحوں میں اعلیٰ حقائق کا انکشاف غرض مند حلقوں کی طرف سے سنجیدہ اعتراضات کا باعث ہوا۔ہے کیونکہ میں سالکوں کی موجودہ کتابوں سے غیر مطمئن رہا۔اور میں کبھی کبھار اپنی بے خودی کی حالت میں ایسے الفاظ کہہ جاتا ہوں جن میں اعلیٰ سچائیاں ہیں ،لیکن بدعات کا الزام لگایا جاتا ہے۔[31]

میر تقی میر(1723-1820)نے اپنی سوانح حیات میں سمت کا تعین کر دیا تھا اور اپنے شعر میں بھی۔

اس کے فروغ حسن سے چمکے ہے سب میں نور
شمع حرم ہو یا کہ دیا سومناتھ کا[32]

مرزا اسد اللہ خان غالب(1797ء-1869ء)کا انکار ایک دوسرے قسم کا ہے اور وہ کبھی کبھی تمام حدوں کو پھلانگ جاتے ہیں۔ان ہی جذبات کا اظہار ایک شعر میں کس طرح کرتے ہیں۔

"ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ میرے پیچھے ہے،کلیسا میرے آگے"[33]

سر سید احمد خان نے ہندومت کو بھی سمجھنے کی کوشش کی۔سرسید اس کے لیے باقاعدہ اجلاس کرواتے۔یہ ویدوں سے متعلق ہوا کرتے تھے۔راجہ شیو پرساد لکھتا ہے۔۔"شیو پرساد نے دیانند سرسوتی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ دیانند سرسوتی نے ویدوں کا ڈنکا بجایا لیکن جب میں نے ان کو یہاں ایک قابل احترام مسلمان دوست کے مکان پر تیس چالیس مسلمانوں کے سامنے وید پر تقریر کرتے اور وید پڑھتے دیکھا اور سنا تو ایشور کی مایا(مہما)یاد آگئی"[34]

سرسید کے اس فعل کو وحدت ادیان کے لیے کی گئی کوشش نہیں کہہ سکتے۔لیکن قریب قریب کہہ سکتے ہیں۔علماء نے جب بھی دین اسلام کو پیش کیا ہے۔بہت سادہ انداز میں پیش کیا ہے نہ کہ یہ طریقہ اپنایا جائے کہ دوسرے مذاہب خصوصاً ہندو مذہب کو سیکھا جائے یا ان کی محفلوں کو صرف اس لیے منعقد کروایا جائے اور سادہ لوح مسلمانوں کو ان میں بلایا جائے،تاکہ وہ قریب آجائیں یہ صحیح نہیں ہے۔صرف اس کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے۔جس نے تقابل ادیان میں تبلیغ کے نقطہ نظر سے مہارت حاصل کرنی ہو۔۔

وحدت ادیان کا نظریہ اسلام دشمن تنظیموں نے ایجاد کیا ہے۔منزل ایک ہو تو راستوں کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔سارے مذاہب کا سرچشمہ ایک ہی بزرگ و برتر ذات ہے جسے مسلمان اللہ،ہندو ایشور اور انگریز گاڈ(God) کہتے ہیں۔یہ مختلف مذاہب عبادات الہیٰ کے مختلف طریقے ہیں۔نیز مذہب حق و انصاف،خدمت خلق،دوستی و بھائی چارے اور ایک دوسرے کے احترام کی تعلیم دیتا ہے۔تمام انسانوں کو تمام مذاہب کا احترام کرنا چاہیے اور ان کے ماننے والوں سے حسن سلوک اور محبت رکھنی چاہیے۔آخرت میں نجات کسی ایک مذہب کی پیروی میں منحصر ہے۔ایسا کہنا بے جا تعصب اور تشدد ہے۔[35]

پاکستان میں: وحدت ادیان اور مابعد جدیدیت: غامدیت(Post Modernism)

اب جو بحث اس موضوع پر وحدت ادیان کے موضوع پر چل رہی ہے وہ غامدیت کی ہے "۔پرویز مشرف کے فوجی دور حکومت 2008-1999 میں زبردست پذیرائی ملی۔اسی دور میں سرپرستی میں "روشن خیالی" کے منصوبے کا آغاز ہوا۔[36] جاوید احمد غامدی اور ان کے متعلقین کو نئے نجی ذرائع ابلاغ میں غیر معمولی اہمیت حاصل رہی۔-2006ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کے رکن مقرر ہوئے اور مسلسل دو سال اس عہدے پر براجمان رہے۔[37]

جاوید احمد غامدی برصغیر کے کسی بڑے مذہبی مکتب فکر (دیوبندی،اہل حدیث) سے تعلق نہیں رکھتے،چنانچہ وہ اپنے آپ کو اپنے ہی تراشیدہ مکتب "دبستان شبلی" سے وابستہ بناتے ہیں۔اس مکتب میں شامل چنیدہ اہل علم میں شبلی نعمانی 1857-1888 ،ابوالاعلی مودودی،حمید الدین فراہی،امین احسن اصلاحی،ابوکلام آزاد 1958-1888 اور علامہ اقبال 1877-1938 شامل ہیں۔[38]

جاوید احمد غامدی کے چند افکار اس طرح ہیں۔

وحدت ادیان کی جو بات اب کے دور میں کی جارہی ہے وہ "سنت ابراہیمی "ہے۔جس سے مراد یہ ہے کہ یہود و نصاری اور مسلمان سب ایک ہیں۔سب ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئیں بس ان کے لیے کافی ہے۔نبی ﷺ پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے۔نبی ﷺ نے جس کو کافر قرار دے دیا بس وہی کافر تھے۔ان کے علاوہ کسی کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہود و نصاری کے لئے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں،اس کے بغیر بھی ان کی بخشش ہو جائے گی۔[39]

سنت صرف دین ابراہیمی کی روایت ہے جس کو نبی کریم ﷺ نے دین کی حیثیت سے جاری فرمایا اور یہ قرآن سے مقدم ہے۔اگر کہیں قرآن کا ٹکراؤ یہود و نصاریٰ کے فکر و عمل سے ہو گا تو قرآن کے بجائے یہود و نصاریٰ کے متواتر عمل کو ترجیح ہو گی[40]۔

اور آج کے زمانے میں یہ مذہبی ہم آہنگی کی بحث نقطہ عروج پر ہے۔ اس حوالے سے جو مکتبہ فکر سامنے آیا وہ غامدیت ہے۔ اس مکتبہ فکر کے مطابق "نبی اکرم کے بعد کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔"[41]

(حضرت عیسیٰؑ وفات پاچکے ہیں۔[42]۔

(قیامت کے قریب کوئی مہدی نہیں آئے گا۔۔[43]

1982 "ء کی بات ہے، محترم استاد مولانا صفی الرحمن صاحب کے ساتھ شہر سیونی صوبہ مدھیہ پردیش (انڈیا) کے جلسے میں شرکت کا موقع ملا۔ عصر و مغرب کے درمیان استاد محترم سے ایک صاحب ملاقات کے لئے آئے۔ وہ حضرت کسی اسکول میں ٹیچر تھے، اپنے ظاہر سے کافی حد تک شرع کے پابند لگ رہے تھے، چہرے پر داڑھی بھی تھی، مجملہ سوالات کئے۔ مجملہ سوالات کے ایک سوال یہ بھی تھا کہ ہندوستان میں کوئی نبی نہیں آیا تھا؟ محترم استاذ نے جواب دیا: ضرور آیا ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی متنبہ کرنے والا نہ آیا ہو۔[44]

ان کا اگلا سوال یہ تھا کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہندو مذہب کی کتابیں جیسے وید، پران وغیرہ آسمانی کتابیں ہوں یا آسمانی کتابوں سے ماخوذ ہوں، خصوصاً جبکہ ان کتابوں میں بہت ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن میں ایسی مستقبل کی خبروں کا تذکرہ ہے جن کی تائید قرآن مجید سے ہوتی ہے، لہذا ہندوؤں کو کافر و مشرک کہنے کی بجائے اہل کتاب کیوں نہ کہا جائے؟ اس لئے کہ کافر کہنے سے وہ ہم سے چڑتے ہیں اور ہمارے اور ان کے مابین نفرت پیدا ہوتی ہے۔"[45]

ایک خیال یہ بھی ہے کہ وحدت ادیان کے نظریہ بہائیوں سے آیا ہے۔ اور اس کو امریکہ میں کامیابی حاصل ہوئی۔ "بہاء اللہ نے اپنی تحریک کو بین الاقوامی رنگ دینے کی کوشش کی اور دعوٰی کیا کہ وہ تمام مذاہب و ادیان کی بنیادی وحدت و اشتراک کو بحال کرنے آیا ہے۔"[46]

مرزا علی محمد باب اپنی کتاب "بیان" میں کہتے ہیں کہ اس کتاب کے ساتھ قرآن منسوخ ہو گیا ہے۔ بہائی قرآنی آیات کی تاویل باطنیوں اور اسماعیلیوں کے رنگ میں کرتے ہیں اور ان کی شریعت نے اسلامی فرائض و واجبات میں بنیادی تبدیلیاں کی ہیں۔ وہ تین نمازوں کو فرض سمجھتے ہیں اور نماز کے انیس روزے فرض سمجھتے ہیں۔ ان کا روزہ طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔ عید الفطر کی بجائے عید بوروز منائی جاتی ہے جو خالص ایرانی تہوار ہے۔ ان کا روزہ طلوع آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔ عید الفطر کی بجائے عید نوروز منائی جاتی ہے جو خالص ایرانی تہوار ہے۔ سود خوری اور موسیقی حلال سمجھی جاتی ہے۔ ان کے ہاں پیرو کو لڑکی دینا اور اس سے رشتہ لینا جائز ہے۔"[47]

وحدت ادیان کی تحریک سے متعلق کئی خبریں ہیں۔ایک تو یہ ہے کہ وحدت ادیان کے بارے میں دفاتر پاکستان میں قائم ہیں۔"پاکستان میں اس کا دفتر لاہور میں ہے۔"[48] اس کا ایک اجلاس پشاور ہو چکا ہے۔"اس سلسلے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کا ایک مشترکہ اجلاس 11 اکتوبر 2000ء کو پشاور ہو چکا ہے۔"[49]

انیسویں صدی کے آخر میں سیاسی صورتِ حال خاصی تبدیل ہو گئی تھی۔دو عظیم جنگوں، قوموں کی نو آبادیات اور عالمگیریت کے نتیجے میں بین المذاہب تعامل کی بحث خاصی اہمیت اختیار کر گئی تھی۔سیاسی مفکرین نے مشرقِ وسطیٰ اور برِصغیر کو خاص ہدف بنایا ہے[50]۔

مذہبی تکثیریت میں یہ ضروری ہے کہ سب کا اظہارائے شامل ہو۔یہ واحد، تثنیہ اور ثلاثہ کے بعد آتا ہے۔۔

"Pluralism ,first of all,is an expression of all ,is an ism s starting with monism, dualism,trialism etc.There,pluralism cannot be explained without a brief look at such related concepts .In fact, the word pluralism only emerged after dualism and monism ,and as pluralism may under stood to include all other expressions along this line of isms (theories),later words such as trialism are rare and can be disregarded According to our dictionaries, the word pluralism was introduced around 1720 by the German philosopher Christian Wolff." [51]

جب یہ لفظ کیتھولک چرچ سے منسلک ہو تو اس کا ایمان اور نظم ونسق کے ساتھ تعامل ضروری ہے۔جبکہ سیاسی بنیادوں پر متحد ہونے کی بنیادیں فرق ہوتی ہیں ان کے پیچھے کئی مقاصد ہو سکتے ہیں۔

Pluralism of the political society is an organic heterogeneous base, while the plurality of the Catholic Church must agree with a homogeneity of faith and discipline. [52]

ارشاد شاکر نے کہا ہے کہ Pluralism "اس لحاظ سے مختلف ہے پلیریٹی سے کہ اس میں لوگ ایک دوسرے کے خلاف فعال ہوتے ہیں اور ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔خواہ یہ اظہار مذہب کی بنیادوں پر ہو یا سیاسی بنیادوں پر"۔

ارشاد خان نے 2nd Vatican Council کے اہداف کو اپنے آرٹیکل میں اس طرح بیان کیا ہے۔

عصرِ حاضر میں بھی کیتھولک چرچ کے تحت ملک بھر میں کانفرنسیں منعقد ہو رہی ہیں۔2nd Vatican Council اس بات کا مطالبہ کر رہی ہے کہ مذاہب کی کلامی مباحث کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی جائے۔اس کی چند اہم دفعات درج ذیل ہیں۔

ایک خدا، خالق اور حاکم۔

حضرت مسیح کی مرکزیت۔

چرچ کی Religious Plurality –

دوسرے مذاہب کے تحفظات کی حقیقت۔

پوپ جان پال 2 کے مطابق ساری انسانیت کو کیتھولک چرچ تسلیم کرنا پڑے گا تاکہ عالمی امن اور بھائی چارہ قائم کیا جاسکے۔[53]،[54]

سیکنڈ ویٹیکن کونسل کی چند دفعات درج ذیل ہیں۔ "دیگر مذاہب کے ساتھ کلیسیا کے تعلقات: زمانہ حال میں جبکہ انسانوں کے باہمی تعلقات دن بدن بڑھ رہے ہیں اور مختلف اقوام کے روابط استوار ہو رہے ہیں، کلیسیا خاص نقطہ نگاہ سے غیر مسیحی مذاہب کے ساتھ اپنے تعلقات کے ساتھ جائزہ لیتی ہے وہ آدمیوں اور قوموں کے مابین یگانگت اور محبت کو فروغ دینے کی غرض سے موجود اعلان میں سب سے پہلے اس بات پر غور کرتی ہے کہ انسانوں میں کونسی باتیں ان کو برابری کے رشتے میں متحد کرنے کے قابل ہوں گی۔

سب قوموں کی ایک ہی جماعت ہے۔ ان کی ایک ہی اصل ہے۔ خدا نے پوری نسل انسانی کو خلق کیا کہ تمام روئے زمین پر بسیں۔ سب قوموں کی ایک ہی نبیاد ہے۔ یعنی خدا ہے کہ جس کی پروردگاری، اظہار خوبی اور منصوبہ نجات ہر ایک بشر کے لئے (حکمت، اعمال رومیوں، تیموتاوس) اس وقت تک یکساں ہے کہ برگزیدہ لوگ مقدس شہر میں متحد کئے جائیں یعنی اس شہر میں جو خدا کی تجلی سے منور ہوگا اور جس میں قومیں اس روشنی میں قومیں اس کی روشنی میں چلیں گی۔ (مکاشفہ)"[55]

"لوگ انسانیت کے ان غیر حل شدہ معموں کا جواب تلاش کرنے کی توقع رکھتے ہیں جو آج اور زمانہ قدیم میں بھی انسانوں کے دلوں کو متحرک کرتے رہے ہیں مثلاً انسان کیا ہے؟ اس کی زندگی کا مدعا اور مقصد کیا ہے؟ نیکی اور بدی کا کیا حساب ہے؟ دکھ مصیبت کس لئے؟ اصلی خوشیاں کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے؟ موت کیا ہے؟ اور موت کے عدالت اور سزا اور جزا سے آئے ہیں اور کہاں جاتے ہیں، کیا ہے؟"[56]

کلیسا کی اس بات کے معنی یہ ہیں کہ انسان اس بات کا متلاشی ہے کہ کوئی اس زندگی کا مقصد اس کے سامنے واضح کرے۔ اور جو ان سوالوں کا جواب دے دے وہی اصل میں مذہب ہے۔ لیکن اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ عیسائی مذہب کو صحیح قرار دے گی۔

"جو مذاہب ترقی یافتہ تہذیب ترقی یافتہ تہذیب سے تعلق رکھتے ہیں وہ بلند تخیل (تصور) اور لسانی باریکیوں سے ان سوالات کے جواب دینے کی سر توڑ کوشش کرتے رہے

ان مذاہب میں جو کچھ سچ اور پاک ہے کاتھولک کلیسیا اسے ہرگز دور نہیں کرتی، وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ ان کی زندگی کے طریقے، ان کی زندگی کے طریقے، ان کے اخلاق کے اخلاق کے قواعد و عقائد اور ان کی تعلیم کا احترام کرتی ہے۔

کلیسا اہل اسلام کو بھی عزت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ یہ تو اس واحد خدا کی تعظیم کرتے ہیں جو انسان سے ہم کلام ہوا۔ یہ اسے واجب الحی اور واجب الوجود، خالق تسلیم کرتے ہیں۔

چونکہ گذشتوں صدیوں کے دوران مسیحیوں اور جنگ وجدل اور عداوت برپا ہوتی رہی اسی لئے یہ مقدس مجلس سب کو یہ ترغیب دیتی ہے کہ ماضی کو بھول کر مخلصانہ طور پر ایک دوسرے کی بات سمجھنے کی کوشش کریں اور کل بنی آدم کے فائدے کے لیے معاشرتی انصاف، اخلاقی بھلائی، سلامتی اور آزادی کو محفوظ رکھ سکیں اور ترقی دیں۔"[57]

اب یہاں اسلام کو عزت دینے کی بھی بات کی جارہی ہے اور مزید یہ کہ جو کچھ مذاہب میں سچ ہے اس کو بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار ہے۔

"اس وقت جبکہ یہ پاک مجلس کلیسیا کے بھید کی چھان بین کرتی ہے۔ یہ ان روحانی بندھنوں کو بھی یاد کرتی ہے جنھوں نے عہد جدید کے فرزندوں کو ابراہیم کی اولاد سے باندھا ہے۔ مسیحوں اور یہودیوں کی مشترکہ روحانی میراث اس قدر اہم ہے کہ یہ مجلس چاہتی ہے اور سفارش کرتی ہے کہ اس باہمی مفاہمت اور تعظیم کو فروغ دیا ہے جو کتابی اور دینی مطالعہ پر مبنی ہو کر برادرانہ مباحثہ کا پھل ہے۔

۔۔ ہر ایک انسان خدا کی شبیہ پر خلق کیا گیا۔ اگر ہم کسی سے بھی برادرانہ طور طریقے سے در پیش آنے سے انکار کریں تو ہم یہ حق ہر گز نہیں رکھ سکتے کہ سب کے باپ خدا کا نام لیں۔ انسان کے تعلقات خدا باپ کے ساتھ اور اس کے تعلقات بھائیوں کے ساتھ یہ آپس میں اس قدر مربوط ہیں کہ کلام مقدس کے مطابق "جس میں محبت نہیں، وہ خدا کو نہیں جانتا۔ یہ پاک مجلس مسیحی مومنوں سے امر کی بہ شدت خواہاں ہے کہ دوسری قوموں میں اپنا چال چلن نیک رکھیں۔ (پطرس) اور جہاں تک ہو سکے مقدور بھر ہر آدمی کے ساتھ صلح رکھیں (رومیوں)۔ تاکہ حقیقت میں اپنے آسمانی باپ کے فرزند کہلائیں"[58]

اور میں حضرت ابراہیم سے تعلق بتا کر عیسائیت، یہودیت اور اسلام کے درمیان مفاہمت پیدا کر رہی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ جس میں محبت نہیں وہ خدا کو نہیں جانتا۔ اس کونسل میں یہ کہا گیا ہے کہ جس مذہب پر پوری دنیا کو جمع ہونا چاہیے وہ عیسائیت ہے۔

مغرب میں ایک بحث یہ exclusivism سے inclusivism کی طرف ایک اپروچ ہے۔ inclusivism ایک ایسی اپروچ ہے جو کئی مذاہب کو سچا تسلیم کرتی ہے اور exclusivism اس کے بالمقابل صرف ایک مذہب کو صحیح تسلیم کرتی ہے۔ اس کے مطابق باقی مذاہب میں نقائص پائے جاتے ہیں۔ مزید یہ کہ مذہبی pluralism کے مطابق مختلف مذاہب کے درمیان مشترکات کو لیا جائے لیکن اختلافات کو چھوڑ دیا جائے۔

عمرلہ پلیبی نے گلوبل امن کے حوالے سے ایک کتاب تصنیف میں جس میں مذہب اور حکومت کے باہمی تعلق کو موضوع بحث بنایا کہ مذہب کی حکومت میں مداخلت سب سے زیادہ انتشار پھیلانے والی بحث ہے۔ اس بحث کا ایک لیول یہ ہے کہ

مذہب لوگوں کی زندگی کا نجی معاملہ ہے اور دوسرا لیول یہ ہے کہ حکومت کی تشکیل میں مذہب کا کیا کردار ہے؟ پھر یہ بات مزید آگے بڑھتی کہ یہ دیکھنا پڑے گا کہ مذہب کی طرف کی جانے والی اپروچ کیا ہے؟ Exclusivism/ inclusivism اور یہ تمام باتیں مل کر سیکولرازم کی بحث بنتی ہے۔ اس کے بعد مصنف نے سیکولرازم کے ارتقا پر بات کی ہے۔ پہلے دنیا قدرت کے میکانزم پر یقین رکھتی تھی۔ بعد میں سپر نیچرل چیزوں پر اور اس کے بعد کسی مافوق الفطرت ہستی کا وجود مٹادیا گیا (ٹائلر)[59]

یہ مغرب کے مختلف رجحانات تھے۔

اب اس ساری گفتگو کا جائزہ اسلام کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

وحدت ادیان کے مقابلے میں وحدت دین (دین اسلام)

وحدت ادیان کا نظریہ دین اسلام سے بالکل ٹکراتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الدین عند اللہ الاسلام[60]

اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ جب دین ایک ہی ہے اور کوئی دوسرا دین قابل قبول نہیں ہے تو اشتراک کس چیز کا۔

مشرکین مکہ نے جب آپ سے پوچھا کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبودوں کی عبادت کریں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سوورہ کافرون نازل کی۔ **قل یایھا الکافرون**[61] نازل کی۔ یہ بھی فرمایا **قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجاھلون**[62] اے جاہلو کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں؟ اور یہ بھی نازل فرمایا: **قل انی نھیت ان اعبد الذین تدعون من دون اللہ**[63].

نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا واقعہ وحدت ادیان کے لیے ایک واضح پیغام رکھتا ہے۔ جب آپ ﷺ نے واضح طور پر کفار کو جواب دیا تھا کہ تمہارے لیے تمہارا دین ہے او ہمارے لیے ہمارا دین ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی اشتراک نہیں ہے۔ حضرت علی کے بھائی حضرت عقیل بیان فرماتے ہیں کہ قریش کا وفد ابو طالب کی خدمت میں حاظر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ احمد کو نہیں دیکھتے، وہ ہماری مجلسوں اور مسجد میں ہمیں پریشان کرتا ہے اور برا بھلا کہتا ہے۔ اس لیے آپ اسے اس کام سے منع کریں۔ ابو طالب نے مجھ سے کہا کہ جاؤ محمد کو بلاؤ۔ میں گیا اور بلا لایا۔ آپ تشریف لائے تو طالب نے کہا: اے بھتیجے؛ تیرے چچازاد بھائی یہ کہہ رہے ہیں کہ تو انھیں ان کی مجلسوں میں اور مسجد میں تکلیف دیتا ہے، اس لئے تو اس کام سے رک جا۔ آپ نے اپنی نظر مبارک کو آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا

ما انا باقدر علیٰ ان ادع لکم ذلک علی ان تشعلوا لی منها شعله بعنی الشمس [64]

اگر تم لوگ میرے لیے سورج سے ایک شعلہ توڑ لاؤ تو بھی میں تم لوگوں کی خاطر اس کام کو نہیں چھوڑ سکتا۔

مدینہ منورہ منتقل ہونے کے بعد اہل کتاب نے بھی مخالفت میں ایذا و پریشانی اور تحریص و لالچ کے دونوں حربے استعمال کیے۔اور جب پہلے حربے میں کامیاب نہیں ہوئے تو خود اللہ کے رسول کو یہودیت و نصرانیت کی دعوت دینے لگے۔جس کے رد میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ود کثیر من اهل الکتب لو یزدونکم من بعد ایمانکم کفارا حسد من عند انفسهم من بعد ماتبین لهم الحق فاعفوا واصجحوا حتی یاتی الله بامره ان الله علی کل شی قدیر [65].

(ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد و بغض کی بنا پر تمھیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ تم بھی معاف کرو اور چھوڑو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم لے آئے۔یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا**وقالوا کونو اهودا او نصری تهتدوا قل بل مله ابراہیم حنیفا وما کان من الشرکین**۔[66]

اور یہ کہتے ہیں کہ تم یہودی یا نصرانی بن جاؤ تو ہدایت پاؤ گے۔تم کہو بلکہ صحیح راہ پر ملت ابراہیمی والے ہیں،اور ابراہیم (خاص اللہ کے پرستار تھے اور) مشرک نہ تھے۔

یہود و انصاری کی ان تمام کوششوں کے باوجود اللہ کے رسول نے انہیں مجبور کیا کہ وہ ذلیل و خوار بن کر جزیہ دینا قبول کریں۔ اسی طرح آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اہل کتاب سے جہاد کیا اور انھیں مجبور کیا کہ ذلیل و خوار بن کر رہیں اور جزیہ دیں(مجموع الفتاوی 4/ 4ہ2

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الاخره من الخسرین [67]

(جو شخص اسلام کے سوا کوئی طریقہ ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام و نامراد ہو گا۔

اس آیت مبارکہ میں دو اہم نکات بیان کئے گئے ہیں۔

1 اسلام کے علاوہ کوئی دین قابل قبول نہیں ہو گا۔

2۔اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب میں رہنے کی پاداش میں کامیاب ہونے کی بجائے ناکام ہو جائے گا۔

دین اسلام مکمل دین ہے

وحدت ادیان کا نظریہ دین اسلام سے ٹکراتا ہے۔کیونکہ دین اسلام کامل ہے۔اور اس کی تکمیل کے بعد باقی ادیان منسوخ ہو چکے ہیں۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا[68]. آج کے دن ہم نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔

و انزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتب ومھینا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواء ھم عما جاءک من الحق[69]

اور (اے نبی) ہم نے تمھاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے۔لہذا تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کافیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر اس کہ خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ وحدت ادیان کے نظریے کو قبول کرنا اور اہل کفر کی خواہشات کی پیروی کرنا بھی غلط ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر تورات کے چند اوراق لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور فرمایا اے اللہ کے رسول یہ تورات کے چند اوراق ہیں۔ حضرت عمر کی اس بات پر آپ خاموش رہے۔ آپ کی اس خاموشی سے فائدہ اٹھا کر حضرت عمر ان اوراق کو پڑھنے لگے۔ آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا۔اے عمر اللہ تیرا بھلا کرے،اللہ کے رسول کے چہرے کی طرف نہیں دیکھ رہے ہو کہ وہ کس طرح غصے میں ہیں؟ جب حضرت عمر نے آپ کے پر غضب چہرے کی طرف دیکھا تو آپ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کہنے لگے۔

اعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ رضیت باللہ ربا و بالسلام دینا و بحمدنبیا[70]

میں اللہ کے غضب اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ میں اللہ کے رب ہونے اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایاوالذی نفس محمد بیدہ لو بدا لکم موسی، فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سوا السبیل ولو کان حیا و ادرک نبوتی لا تبغی[71]

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر تمہارے سامنے موسیٰؑ بھی آجائیں اور مجھے چھوڑ کر تم ان کی اتباع کرنے لگو تو صحیح راستے تو وہ بھی میری اتباع کرتے۔

ان تعلیمات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بھی صورت قران اور دین اسلام کے آجانے کے بعد کسی دوسرے دین سے ملانا جائز نہیں۔

وحدت ادیان کے نتیجے میں دین اسلام کے ارکان معطل

وحدت ادیان کا نظریہ مان لیا جائے تو دین اسلام کے بہت سے ارکان معطل ہو جائیں گے۔ بلکہ ان کے اظہار کی گنجائش نہیں رہتی۔

معروف و منکر کا معاملہ ؛معروف اور منکر کا معاملہ اہم ترین معاملات میں سے ایک ہے۔سب سے اہم معروف توحید و ایمان ہے اور سب سے بڑا منکر شرک اور کفر ہے۔اگر اس نظریہ کو مان لیا جائے تو پھر کافر کو کافر نہ کہا جائے اور پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اسلام اور توحید کی دعوت نہ دی جائے۔اور کسی کو کفر سے منع نہ کیا جائے۔

عقیدہ ولاء و براۃ

وحدت ادیان کا نظریہ مان لینے سے عقیدہ موالات و معادات (وفاداری و بیزاری) پر بھی کاری ضرب لگتی ہے۔

یا یھا الذین امنوا لا تتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتب من قبلکم والکفار اولیا ء و اتقوا اللہ ان کنتم مومنین[72]

اے ایمان والو ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے تھے یا کفار ہوں۔اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔

جہاد

وحدت ادیان کا نظریہ مان لینے سے جہاد کی ساری آیات متاثر ہوتی ہیں۔

نبی اکرام ﷺ اور صحابہ کے بعد غلبہ دین کی خاطر (اقدامی) جہاد ہمیشہ کے لئے ختم ہے[73]

جبکہ قرآن کا بیان یہ ہے۔

یاایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم وماواھم جھنم و بئس المصیر[74]

حضرت عیسیٰؑ کی آمد اور دجال سے متعلق تعلیمات

حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں۔[75]۔

قیامت کے قریب کوئی مہدی نہیں آئے گا۔[76]۔

اس کے لیے اسلامی تعلیمات یہ ہیں۔کہ عیسی ضرور آئیں گے۔وہ صلیب کو توڑیں گے۔سور کو قتل کریں گے اور جزیہ قائم کریں گے۔عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ((والذی نفسی بیدہ لیوشکن ان ینزل فیکم ابن مریم حکما عدلا فیکتسر الصلیب و یقتل الضنزیر ویضع الجزیہ ایفص المال حتی لا یقبلہ احد حتی تکون السجدہ الواحدہ خیر امن الدنیا و ما فیھا))ثم یقول ابو ھریرہ فاقرء وا ان شئتم (و ان من اھل الکتب الا لیومنن بہ قبل موتد))الا یۃ [77]

ان کے آنے کا مقصد اللہ کے دین کے سوا سب کو باطل قرار دینا ہے۔عیسائیت پر بھی اسلام کا غلبہ مقصود ہے۔

دجال کی آمد سے متعلق بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک دس نشانیاں نہ دیکھ لو۔ ان میں سے ایک یہ ہے دجال کی آمد اور اس کے ساتھ ہی نزول عیسیٰ۔ (انھا لن تقوم حتی تروا قبلھا عشر 78 ایات فذکر الدخان والدجال و الدابه و طلوع الشمس من مغربھا ونزول عیسی)

ایک نکتہ مختلف ادیان کے حوالے سے یہ ایک جواب سید ابو الاعلیٰ کا بھی ہے "مذہب کو بھی ایک جنس مبادلہ سمجھتے ہیں کہ جہاں ہم نے اپنے مذہب پر عمل کیا اور بس دوسرے فوراً کہیں گے کہ اب ہم بھی اپنے مذہب پر عمل کریں گے۔ لہٰذا اگر دوسروں کو ان کے مذہبی رویے سے روکنا ہے تو ان کے ساتھ یہ لین دین کا معاملہ کر لو کہ آؤ بھائیو، تم اپنا مذہب چھوڑ دو ،ہم اپنے مذہب کو طلاق دیئے دیتے ہیں۔ حالانکہ دوسرے اگر اپنے معاملات سے اپنے مزہب کو بے دخل کر رہے ہیں تو ہم سے کسی سمجھوتے کی بناء پر نہیں بلکہ اپنے مذہب کو اپنی قومی ضروریات کے لئے ناقص یا مضر سمجھ کر رہے ہیں۔"[79]

غیر مسلموں کو اسلام کی طرف دعوت دینا۔۔ بین المذاہب تعامل کا اولین فریضہ ہے جو اسلامی ریاست پر عائد ہوتا ہے۔

قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء (آل عمران 94)

سب سے پہلے مشترکہ کلمہ کی طرف دعوت دینی چاہیے۔۔ تاکہ وہ قریب آسکیں۔۔ اور نرمی اور حکمت سے کام لینا چاہیے۔

ہر مذہب کی تقدیم واجب ہے'۔ اس لیے جب نبی اکرم ﷺ کسی بادشاہ کو خط لکھتے تو اس کے مقام اور مرتبہ کے مطابق اس کو مخاطب کرتے۔ اس کے بعد اس کو دعوت دیتے۔ دعوت میں اصلاحی پہلو بیان کرتے۔"[80]

اس اعتبار سے تعامل بین المذاہب کی اہمیت مسلم ہے۔ اگر تعامل بین المذاہب نہ ہو تو تبلیغ کا فریضہ جو ہر مسلمان پر واجب ہے۔

حاصل بحث:

اسلام میں وحدت ادیان کی ادنیٰ سی گنجائش بھی نہیں ہے۔ اسلام "وحدت دین" کی بات کرتا ہے۔

اللہ کے ہاں پسندیدہ دین صرف اسلام ہے۔ یہودیت، عیسائیت اور ہندومت سے بس صرف انکار نہیں کرتا۔

اسلام کے نہ ماننے والوں کو کافر قرار دیتا ہے۔

وحدت ادیان عین استعمار کا ہدف ہے۔ مذہبی تکثیریت کی بحث بھی بہت شدت سے کی جارہی ہے۔ جس میں کہا جاتا ہے کہ مشترکات کو لے لیا جائے اور مذاہب کو ایک کر دیا جائے۔

استعمار سے پہلے بھی ہندو اور اسلام کے درمیان اشتراک کی کئی کوششیں کی گئیں۔ لیکن یہ مسائل ہندوستان کے اپنے تھے۔ عالمی نہیں تھے اور زیادہ پروان انگریزوں کے آنے کے بعد پروان چڑھے۔

استعمار کے چلے جانے کے بعد بھی استعمار پاکستان میں اپنے اثرات چھوڑ کر گیا۔ بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ وحدت ادیان کی بحث نقطہ عروج پر ہے۔ سنت ابراہیمی کی شکل میں۔ اس کو پاکستان کی اسلامی ریاست میں مابعد جدیدیت کے عنوان کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔

اسلام دوسرے مذاہب سے رواداری کی بات کرتا ہے۔ ہم آہنگی کے اصول وقیود طے کرتا ہے۔

تعامل بین المذاہب میں اصل فریضہ دعوت وتبلیغ ہے۔ اسلام سب سے زیادہ اس پر زور دیتا ہے۔ اور اس کو ہر مسلمان پر فرض قرار دیتا ہے۔

حوالہ جات

[1] S.M.Jaffar .*Some Cultural Aspects of Muslim Rule in India* .S.Muhamad Sadiq Khan ,Publisher ,Peshawar ,1950 p192

[2] نبی بخش خان بلوچ، (مترجم اختر رضوی)، فتح نامہ سندھ چچ نامہ، جام شورو، 2008ء، ص215

[3] ایضا ص214

[4] ایضا ص211

[5] Ibid p 193 S.M.Jaffar

[6] Ibid p195

[7] مشیر الحسن (مترجم مسعود الحق)، دہلی کے مسلمان دانش ور، انجمن ترقی اردو (ہند)، نئی دہلی، 2006ء، ص49

[8] ایضا 48ص، ء

[9] R.Fryhenberg ,*Delhi Through The Ages* ,Oxford University press 39

[10] ایضا مشیر الحسن

[11] Ferrel,D.W Delhi ,1911-1922*;Society and Politics in the new imperial capital of India* .Ravinder Kumer (Phd thesis0 ,p68

[12] سلطان احمد اصلاحی، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ، س ن، ص12

[13] Sher Ali Tareen. Translating the other: Early -Modern Muslim Understanding of Hinduism .Journal of the Royal Asiatic ,p 447-449

[14] Ibid

[15] Ibid

[16] Ibid

[17] Ibid

[18] بحوالہ سکھ مت اور توحید مصنف مولانا سید حامد علی / 23 ادارہ شہادت حق میرٹھ 1964ء صلاحدین ص39

[19] http//darulifta-deband .com home /Islamic/belief/Fatwa ;16T/N--2

[20] Ibid

[21] Ibid

[22] سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام، تاریخ دعوت وعزیمت، ج چہارم، ص92

[23] ابوالفضل،(مترجم مولوی محمد فدا طالب)، آئین اکبری، دار الطبع، جامعہ عثمانیہ سرکار عالی، حیدر آباد، دکن،1939۔ج اول ۔ص20

[24] ایضا

[25] ایضاص107

[26] جہانگیر،(مترجم سلیم واحد)،توزک جہانگیری(جہانگیر نامہ اور اقبال نامہ جہانگیری کے نام سے بھی موسوم ہے)، مجلس ترقی ادب ،کلب روڈ،لاہور،1660ء،ج اول،ص189

[27] ایضاص26

[28] ایضاص64

[29] ایضا

[30] ۔پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں رسائل تصوف میں شامل ہے۔مسودہ ج415 ترجمہ مولوی احمد علی بٹالوی، کشمیری بازار ،لاہور ایضاص49دار شکوہ،رسالہ حق،رسالہ نما،نول کشور پریس لکھنو1910ء

[31] میر تقی میر،کلیات میر تقی میر، مطبع نامی منشی، مسلم دہلی کے دانشور،ص51

[32] مسلم دہلی کے دانشور ص51

[33] مرزا اسد اللہ خان غالب،(حامد علی خان)،دیوان غالب،پنجاب یونیورسٹی پریس،1969، صفحہ نمبر ندارت

[34] ویر بھارت تلوار،(مترجم جاوید رحمانی)،راجہ شیو پرساد،ساہتیہ اکیڈمی،دہلی،2014ء ص57(راجہ شیو پرساد سید احمد خان کی قائم کردہ سوسائیٹی کا اہم رکن تھا)

[35] مولانا مقصود الحسن فیضی،اہل کفر کے ساتھ تعلقات،وفاداری یا بیزاری اور اسلامی تعلیمات،نور اسلام اکیڈمی،ص32

[36] Magnus C. Bernharddsson," Review of Enemy in the Mirror: Islamic Fundamentalis and the Limits of Modern Rationalism,"by Roxanne L.Fuben,*American Journal of Islamic Social Sciences*,vol.19,no,3(2002):140

[3737] Muhammad Khalid Masud,'Islimic Modernism," in Islam and Modernity: key *Issues and Debates*, Muhammad Khaid Masud ,Armando Salvatore and Mortin Van Bruinessen (eds).(Edinburgh:Edinburgh University Press,2009),237-260

[38] M,Hakam Yavuz,*Islamic Political Identity in Turkey* (New York:Oxford University Press ,2003),24

[39] ۔غامدی اشراق،جون2008،ص70

[40] ۔میزان ص14 طبع2014

41 یاسر رسول،جاوید غامدی کے عقائد و نظریات کا اسلامی عقائد سے تقابلی جائزہ، sunnilibrary,com/dor.e.hazir ka ftna

42 ۔میزان،علامات قیامت،ص178، طبع 2014)

43 میزان،علامات قیامت،ص177 طبع مئی2014)

44 ۔فاطر24

45 ایضا اہل کفر کے ساتھ تعلقات ص49-52

46 علی عباس جلالپوری،اقبال کا علم الکلام، تخلیقات لاہور،2013،ص40

47 ایضا۔اقبال کا علم الکلام ص40-41---

48 ماہنامہ:انوار مدینہ،لاہور،شمار جون2002ء

49 ایضا

50 -Fred , Halliday. The Middle east in international relations Power, Politics and ideology. No 4. Cambridge University Press, 2009. p - 263

51 Ehrlich,Stanislaw,Three faces of pluralism:Political ,ethnic and religious,1980,p1

52 Ibid 204

53 -A. Rashid Khalid (1990). “The Theological Foundation of inter faith dialogue”Vincentiana. Vol 43 no 4, Article 12.

54 Ehrlich,Stanislaw,Three faces of pluralism:Political ,ethnic and religious,1980,p1

55 سیکنڈ ویٹیکن کونسل، مکتبہ عناویم پاکستان، طبع دوم ص500

56 ایضا۔

57 ایضا

58 ایضا ص562۔

59 A Omer ,R.Scott Appleby ,and David little ,edu,The Oxford Hand book of religion,and peace building,Oxford University Press,2015,p100

60. ال عمران آیت نمبر19

61 ۔سورة الكافرون

62. الزمر 64

63. الانعام؛56

64 ۔ احادیث صحیحہ،المناقب والمثالب،فضائل و مناقب اور معائب و نقائص .آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈٹ کر اپنے منہج پر قائم رہے۔ حدیث نمبر3208.

65. البقرہ109

[66] ۔البقرہ135

[67]. ال عمران85

[68]. سورہ مائدہ: 3

[69]. المائدہ48

[70]. سنن دارمي،مقدمه، باب مَا يُتَّقَى مِنْ تَفْسِيرِ حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلِ غَيْرِهِ عِنْدَ قَوْلِهِ: حدیث نمبر449 .

[71]. سنن دارمي،مقدمه، باب مَا يُتَّقَى مِنْ تَفْسِيرِ حَدِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَوْلِ غَيْرِهِ عِنْدَ قَوْلِهِ: حديث نمبر449 .

[72] ۔المائدہ55-57

[73] (اشراق،اپریل2011،ص2)

[74] ۔سورہ توبہ۔9 آیت73

[75] میزان،علامات قیامت،ص178، طبع2014)،جاوید احمد،غامدی،المورد51اے ماڈل ٹاؤن،لاہور

[76] میزان،علامات قیامت،ص177 طبع مئی2014)

[7777] البضاری ،كتاب الفتن ،باب نزول عيسى عليه الصلو ة والسلام ،رقم حديث 3448

[78] مسلم ،صحيح مسلم ،باب كتاب الفتن ،باب :العلامات بين يدى الساعه و ذكر الدجال ،رقم حديث 2901 - 39

[79] سید ابوالاعلیٰ مودودی،تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر تبصرہ،ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور،پاکستان،1994،ص98-99،

[80] قاضی ابو العلی ،ابن الفراح ،رسل الملوک ،